PD-JULY – 2023

دعا

(2) سورة البقرة: آیت نمبر 186

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

اور اے نبیؐ، میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو اُنھیں بتادو کہ میں اُن سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اُس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ لٰہذا انھیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں [188] یہ بات تم اُنھیں سُنادو شاید کہ وہ راہِ راست پالیں۔ [189]

سُوْرَةُ الْبَقَرَة حاشیہ نمبر:188

یعنی اگر چہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے اور نہ اپنے حواس سے مجھ کو محسوس کر سکتے ہو، لیکن یہ خیال نہ کرو کہ میں تم سے دُور ہوں۔ نہیں، میں اپنے ہر بندے سے اتنا قریب ہوں کہ جب وہ چاہے، مجھ سے عرض معرُوض کر سکتا ہے، حتّٰی کہ دل ہی دل میں وہ جو کچھ مجھ سے گزارش کرتا ہے میں اُسے بھی سُن لیتا ہوں اور صرف سُنتا ہی نہیں، فیصلہ بھی صادر کرتا ہوں۔ جن بے حقیقت اور بے اختیار ہستیوں کو تم نے اپنی نادانی سے الٰہ اور ربّ قرار دے رکھا ہے، اُن کے پاس تو تمہیں دَوڑ دَوڑ کر جانا پڑتا ہے اور پھر بھی نہ وہ تمہاری شنوائی کر سکتے ہیں اور نہ ان میں یہ طاقت ہے کہ تمہاری درخواستوں پر کوئی فیصلہ صادر کر سکیں۔ مگر میں کائنات بے پایاں کا فرماں روائے مطلق، تمام اختیارات اور تمام طاقتوں کا مالک، تم سے اتنا قریب ہوں کہ تم خود بغیر کسی واسطے اور وسیلے اور سفارش کے براہِ راست ہر وقت اور ہر جگہ مجھ تک اپنی عرضیاں پہنچا سکتے ہو۔ لٰہذا تم اپنی اس نادانی کو چھوڑ دو کہ ایک ایک بے اختیار بناوٹی خدا کے در پر مارے مارے پھرتے ہو۔ میں جو دعوت تمہیں دے رہا ہوں، اس پر لبیک کہہ کر میرا دامن پکڑ لو، میری طرف رُجوع کرو، مجھ پر بھروسہ کرو اور میری زندگی و اطاعت میں آجاؤ۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَة حاشیہ نمبر:189

یعنی تمہارے ذریعے سے یہ حقیقتِ حال معلوم کر کے اُن کی آنکھیں کھُل جائیں اور وہ اس صحیح رویّے کی طرف آجائیں، جس میں ان کی اپنی ہی بھلائی ہے۔

(7) سورۃ الاعراف: آیت نمبر 55

ٱدۡعُوا۟ رَبَّكُمۡ تَضَرُّعٗا وَخُفۡيَةًۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلۡمُعۡتَدِينَ ۝٥٥

اپنے ربّ کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(25) سورۃ الفرقان: آیت نمبر 77

قُلۡ مَا يَعۡبَؤُا۟ بِكُمۡ رَبِّي لَوۡلَا دُعَآؤُكُمۡۖ فَقَدۡ كَذَّبۡتُمۡ فَسَوۡفَ يَكُونُ لِزَامَۢا ۝٧٧

اے محمدؐ، لوگوں سے کہو "میرے ربّ کو تمہاری کیا حاجت پڑی ہے اگر تم اُس کو نہ [96] پکارو۔ اب کہ تم نے جھُٹلا دیا ہے، عنقریب وہ سزا پاؤ گے کہ جان چھُڑانی محال ہو گی۔" ؏

سورۃ الفُرقان حاشیہ نمبر:96

یعنی اگر تم اللہ سے دعائیں نہ مانگو، اور اس کی عبادت نہ کرو، اور اپنی حاجات کے لیے اس کو مدد کے لیے نہ پکارو، تو پھر تمہارا کوئی وزن بھی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ پرکاہ کے برابر بھی تمہاری پرواکرے۔ محض مخلوق ہونے کی حیثیت سے تم میں اور پتھروں میں کوئی فرق نہیں۔ تم سے اللہ کی کوئی حاجت اٹکی ہوئی نہیں ہے کہ تم بندگی نہ کرو گے تو اس کا کوئی کام رکا رہ جائے گا۔ اس کی نگاہ التفات کو جو چیز تمہاری طرف مائل کرتی ہے وہ تمہارا اس کی طرف ہاتھ پھیلانا اور اس سے دعائیں مانگنا ہی ہے۔ یہ کام نہ کرو گے تو کوڑے کرکٹ کی طرح پھینک دیے جاؤ گے۔

(40) سورۃ الغافر (المومن): آیت نمبر 14 و 60

فَٱدۡعُوا۟ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ وَلَوۡ كَرِهَ ٱلۡكَٰفِرُونَ ۝١٤

وَقَالَ رَبُّكُمُ ٱدۡعُونِيٓ أَسۡتَجِبۡ لَكُمۡۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَسۡتَكۡبِرُونَ عَنۡ عِبَادَتِي سَيَدۡخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝٦٠

۔(پس اے رجوع کرنے والو) اللہ ہی کو پکارو اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے [22]، خواہ تمہارا یہ فعل کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

تمہارا رب [82] کہتا ہے "مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا [83]، جو لوگ گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، ضرور وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے [84]"۔ ع

سُوۡرَةُ الۡمُؤۡمِن حاشیہ نمبر:22

22۔ دین کو اللہ کے لیے خالص کرنے کی وضاحت سورہ زمر حاشیہ نمبر 3 میں کی جاچکی ہے۔

سُوۡرَةُ الزُّمَر حاشیہ نمبر:3

3۔ یہ ایک نہایت اہم آیت ہے جس میں دعوت اسلام کے اصل مقصود کو بیان کیا گیا ہے، اس لیے اس پر سے سرسری طور پر نہ گزر جانا چاہیے، بلکہ اس کے مفہوم و مدعا کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے بنیادی نکات دو ہیں جنہیں سمجھے بغیر آیت کا مطلب نہیں سمجھا سکتا۔ ایک یہ کہ مطالبہ اللہ کی عبادت کرنے کا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایسی عبادت کا مطالبہ ہے جو دین کو اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے کی جائے۔

عبادت کا مادہ عبد ہے۔ اور یہ لفظ "آزاد" کے مقابلے میں "غلام" اور "مملوک" کے لیے عربی زبان میں مستعمل ہوتا ہے۔ اسی معنی کے لحاظ سے "عبادت" میں دو مفہوم پیدا ہوئے ہیں۔ ایک پوجا اور پرستش، جیسا کہ عربی زبان کی مشہور و مستند لغت "لسان العرب" میں ہے، عَبَدَ اللہ، تَاَلَّہَ لَہٗ۔ وَالتَّعَبُّدُ، التَّنَسُّکُ۔ دوسرے، عاجزنہ اطاعت اور برضا و رغبت فرمانبرداری، جیسا کہ لسان العرب میں ہے، العبادۃ، الطاعۃ۔ و معنی العبادۃ فی للغۃ الطاعۃ مع الخضوع۔ وَکل من دان الملک فھر عبدٌ لِہٗ (وَقَوۡمُھُمَا لَنَا عَابِدُوۡنَ)۔ والعابد، الخاضع لربہ المستسلم المنقاد لامرہ۔ عبد الطاغوت، اطاعَ یعنی الشیطان فیما سَوَّل لہ واغواہ۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ، ای نطیع الطاعۃ التی یخضع معھا۔ اُعۡبُدُوۡا رَبَّکُمۡ، اطیعوا ربکم۔ پس لغت کی ان مستند تشریحات کے مطابق مطالبہ صرف اللہ تعالٰی کی پوجا اور پرستش ہی ک نہیں ہے بلکہ اس کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت، اور اس کے قانونِ شرعی کی برضا و رغبت پیروی، اور کے امر و نہی کی دل و جان سے فرمانبرداری کا بھی ہے۔

دین کا لفظ عربی زبان میں متعدد مفہومات کا حمل ہے:

ایک مفہوم ہے غلبہ و اقتدار، مالکانہ اور حاکمانہ تصرُّف، سیاست و فرمانروائی اور دوسروں پر فیصلہ نافذ کرنا۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے وَانَ النَّاسَ، ای قھرھم علی اطاعۃ۔ دِنۡتُھُم، ای قَھرتُھم۔ دِنۡتُہٗ سُسۡتُہٗ سملکتُہٗ۔ وفی الحدیث الکَیّس من دان نفسہٗ، ای اذلّھا واستعبدھا۔ الدَّیَّان، القاضی، الحَکَم، القھّار۔ ولا انت دیَانی، ای لست بَقاھر لی فتَسُوس امری۔ مَاکَانَ لِیَاۡخُذَ اَخَاہُ فِیۡ دِیۡنِ الۡمَلِکِ، ای فی قضاء الملک۔

دوسرا مفہوم ہے اطاعت، فرمانبرداری اور غلامی۔ لسان العرب میں ہے الدین، اطاعۃ۔ دِنۡتُہٗ و دِنۡتُ لَہٗ ای اطعتُہٗ۔ والدین للہ، انما ھو طاعتہٗ ولا تعبد لہٗ۔ فی الحدیث اُریدُ من قریشٍ کلمۃ تَدِین لھمُ بھَا العرت، ای تطیعھم و تخضع لھم۔ ثم دانت بعد الرباب، ای ذلّت لہ واطاعتہٗ۔ یمر قون من الدین، ای انھم یخرجون من طاعۃ الامام المفترض اطاعۃ۔ المدین، العبد۔ فَلَوۡلَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ غَیۡرَ مَدِیۡنِیۡنَ، ای غیر مملوکین۔

تیسرا مفہوم ہے وہ عادت اور طریقہ جس کی انسان پیروی کرے۔ لسان العرب میں ہے الدین، العادۃ و الشأن۔ یقال مازال ذٰلک دینی و دیدَنی، ای عادتی۔

ان تینوں مفہومات کو ملحوظ رکھتے ہوئے دین کے معنی اِس آیت میں اُس "طرز عمل اور اس رویّے کے ہیں جو کسی کی بالاتری تسلیم اور کسی کی اطاعت قبول کر کے انسان اختیار کرے۔" اور دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس کی بندگی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ "آدمی اللہ کی بندگی کے ساتھ کسی دوسرے کی بندگی شامل نہ کرے، بلکہ اسی کی پرستش، اسی کی ہدایت کا اتباع اور اسی کے احکام و اوامر کی اطاعت کرے"۔

سُوۡرَةُ الۡمُؤۡمِن حاشیہ نمبر:82

82۔ آخرت کے بعد اب توحید پر کلام شروع ہو رہا ہے جو کفار اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دوسرے بنائے نزاع تھی۔

سُوْرَۃُ الْمُؤْمِن حاشیہ نمبر:83

83۔ یعنی دعائیں قبول کرنے اور نہ کرنے کے جملہ اختیارات میرے پاس ہیں، لہٰذا تم دوسروں سے دعائیں نہ مانگو بلکہ مجھ مانگو۔ اس آیت کی روح کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے تین باتیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہییں:

اول یہ کہ دعا آدمی صرف اس ہستی سے مانگتا ہے جس کو وہ سمیع و بصیر اور فوق الفطری اقتدار (Supernatural powers) کا مالک سمجھتا ہے، اور دعا مانگنے کا محرک دراصل آدمی کا یہ اندرونی احساس ہوتا ہے کہ عالم اسباب کے تحت فطری ذرائع و وسائل اس کی کسی تکلیف کو رفع کرنے یا کسی حاجت کو پورا کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں یا کافی ثابت نہیں ہو رہے ہیں، اس لیے کسی فوق الفطری اقتدار کی مالک ہستی سے رجوع کرنا ناگزیر ہے۔ بآواز بلند ہی نہیں، چپکے چپکے بھی پکارتا ہے، بلکہ دل ہی دل میں اس سے مدد کی التجائیں کرتا ہے۔ یہ سب کچھ لازماً اس عقیدے کی بنا پر ہوتا ہے کہ وہ ہستی اس کو ہر جگہ ہر حال میں دیکھ رہی ہے۔ اس کے دل کی بات بھی سن رہی ہے۔ اور اس کو ایسی قدرت مطلقہ حاصل ہے کہ اسے پکارنے والا جہاں بھی ہو وہ اس کی مدد کو پہنچ سکتی ہے اور اس کی بگڑی بنا سکتی ہے۔ دعا کی اس حقیقت کو جان لینے کے بعد یہ سمجھنا آدمی کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں رہتا کہ جو شخص اللہ کے سوا کسی اور ہستی کو مدد کے لیے پکارتا ہے وہ در حقیقت قطعی اور خالص اور صریح شرک کا ارتکاب کرتا ہے، کیونکہ وہ اس ہستی کے اندر ان صفات کا اعتقاد رکھتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں۔ اگر وہ اس کو ان خدائی صفات میں اللہ کا شریک نہ سمجھتا تو اس سے دعا مانگنے کا تصور تک کبھی اس کے ذہن میں نہ آ سکتا تھا۔

دوسری بات جو اس سلسلے میں اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے وہ یہ ہے کہ کسی ہستی کے متعلق آدمی کا اپنی جگہ یہ سمجھ بیٹھنا کہ وہ اختیارات کی مالک ہے، اس سے یہ لازم نہیں آجاتا کہ وہ فی الواقع مالک اختیارات ہو جائے۔ مالک اختیارات ہونا تو ایک امر واقعی ہے جو کسی کے سمجھنے یا نہ سمجھنے پر موقوف نہیں ہے۔ جو در حقیقت اختیارات کا مالک ہے وہ بہر حال مالک ہی رہے گا، خواہ آپ اسے مالک سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ اور جو حقیقت میں مالک نہیں ہے، اس کو محض یہ بات کہ آپ نے اسے مالک سمجھ لیا ہے، اختیارات میں ذرہ برابر بھی کوئی حصّہ نہ دلوا سکے گی۔ اب یہ بات ایک امر واقعی ہے کہ قادر مطلق اور مدبر کائنات اور سمیع و بصیر ہستی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور وہی کُلی طور پر اختیارات کا مالک ہے۔ دوسری کوئی ہستی بھی اس پوری کائنات میں ایسی نہیں ہے جو دعائیں سننے اور ان پر قبولیت یا عدم قبولیت کی صورت میں کوئی کارروائی کرنے کے اختیارات رکھتی ہو۔ اس امر واقعی کے خلاف اگر لوگ اپنی جگہ کچھ انبیاء اور اولیاء اور فرشتوں اور جِنوں اور سیاروں اور فرضی دیوتاؤں کو اختیارات میں شریک سمجھ بیٹھیں تو اس سے حقیقت میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق رونما نہ ہوگا۔ مالک مالک ہی رہے گا اور بے اختیار بندے، بندے ہی رہیں گے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے دعا مانگنا بالکل ایسا ہے جیسے کوئی شخص درخواست لکھ کر ایوان حکومت کی طرف جائے مگر اصل حاکم ذی اختیار کو چھوڑ کر وہاں جو دوسرے سائلین اپنی حاجتیں لیے بیٹھے ہوں انہی میں سے کسی ایک کے آگے اپنی درخواست پیش کر دے اور پھر ہاتھ جوڑ جوڑ کر اس سے التجائیں کرتا چلا جائے کہ حضور ہی سب کچھ ہیں، آپ ہی کا یہاں حکم چلتا ہے، میری مراد آپ ہی بر لائیں گے تو بر آئے گی۔ یہ حرکت اول تو بجائے خود سخت حماقت و جہالت ہے لیکن ایسی حالت میں یہ انتہائی گستاخی بھی بن جاتی ہے جبکہ اصل حاکم ذی اختیار سامنے موجود ہو اور عین اس کی موجودگی میں اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کے سامنے درخواستیں اور التجائیں پیش کی جا رہی ہوں۔ پھر یہ جہالت اپنے کمال پر اس وقت پہنچ جاتی ہے جب وہ شخص جس کے سامنے درخواست پیش کی جا رہی ہو خود بار بار اس کو سمجھائے کہ میں تو خود تیری ہی طرح کا ایک سائل ہوں، میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے، اصل حاکم سامنے موجود ہیں، تو ان کی سرکار میں اپنی درخواست پیش کر، مگر اس کے سمجھانے اور منع کرنے کے باوجود یہ احمق کہتا ہی چلا جائے کہ میرے سرکار تو آپ ہیں، میرا کام آپ ہی بنائیں گے تو بنے گا۔

ان تین باتوں کو ذہن میں رکھ کر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ مجھے پکارو، تمہاری دعاؤں کا جواب دینے والا میں ہوں، انہیں قبول کرنا میرا کام ہے۔

سُوْرَۃُ الْمُؤْمِن حاشیہ نمبر:84

84۔اس آیت میں دو باتیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ایک یہ کہ دعا اور عبادت کو یہاں مترادف الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دعائیں عبادت اور جانِ عبادت ہے۔دوسرے یہ کہ اللہ سے دعا نہ مانگنے والوں کے لیے "گھمنڈ میں آکر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں" کے الفاظ استعمال کیے گ ئے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ سے دعا مانگنا عین تقاضائے بندگی ہے،اور اس سے منہ موڑنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی تکبر میں مبتلا ہے اس لیے اپنے خالق و مالک کے آگے اعتراف عبودیت کرنے سے کتراتا ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں آیت کے ان دونوں مضامین کو کھول کر بیان فرما دیا ہے۔حضرت نعمان بن بشیر کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ان الدعاء ھو العبادۃ ثم قرأ ادعونی استجب لکم۔.....یعنی دعا عین عبادت ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرائی (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بن ابی حتم، ابن جریر)۔حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا الدعاء مخ العبادۃ،" دعا مغز عبادت ہے" (ترمذی)۔حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا من لم یسأل اللہ یغضب علیہ،" جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔" (ترمذی)

اس مقام پر پہنچ کر وہ عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے جو بہت سے ذہنوں میں اکثر الجھن ڈالتا رہتا ہے۔لوگ دعا کے معاملے پر اس طرح سوچتے ہیں کہ جب تقدیر کی برائی اور بھلائی اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ اپنی غالب حکمت و مصلحت کے لحاظ سے جو فیصلہ کر چکا ہے وہی کچھ لازماً رونما ہو کر رہنا ہے تو پھر ہمارے دعا مانگنے کا حاصل کیا ہے۔یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے جو آدمی کے دل سے دعا کی ساری اہمیت نکال دیتی ہے،اور اس باطل خیال میں مبتلا رہتے ہوئے اگر آدمی دعا مانگے بھی تو اس کی دعا میں کوئی روح باقی نہیں رہتی۔قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت اس غلط فہمی کو دو طریقوں سے رفع کرتی ہے۔اولاً، اللہ تعالیٰ بالفاظ صریح فرما رہا ہے کہ" مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا" اس سے صاف معلوم ہوا کہ قضا اور تقدیر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس نے ہماری طرح معاذاللہ، خود اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بھی باندھ دیے ہوں اور دعا قبول کرنے کے اختیارات اس سے سلب ہو گ ئے ہوں۔بندے تو بلاشبہ اللہ کے فیصلوں کو ٹالنے یا بدل دینے کی طاقت نہیں رکھتے، مگر اللہ تعالیٰ خود یہ طاقت ضرور رکھتا ہے کہ کسی بندے کی دعائیں اور التجائیں سن کر اپنا فیصلہ بدل دے۔دوسری بات جو اس آیت میں بیان کی گئی یہ وہ یہ ہے کہ دعا خواہ قبول ہو یا نہ ہو، بہر حال ایک فائدے اور بہت بڑے فائدے سے وہ کسی صورت میں بھی خالی نہیں ہوتی، اور وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کر کے اور اس سے دعا مانگ کر اس کی آقائی و بالادستی کا اعتراف اور اپنی بندگی و عاجزی کا اقرار کرتا ہے۔یہ اظہار عبودیت بجائے خود عبادت، بلکہ جان عبادت ہے جس کے اجر سے بندہ کسی حال میں بھی محروم نہ رہے گا قطع نظر اس سے کہ وہ خاص چیز اس کو عطا کی جائے یا نہ کی جائے جس کے لیے اس نے دعا کی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ان دونوں مضامین کی بھی پوری وضاحت ہمیں مل جاتی ہے۔پہلے مضمون پر حسب ذیل احادیث روشنی ڈالتی ہیں:

حضرت سلمان فارسی کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: لایرو القضاءَ الا الدعاء (ترمذی)۔"قضا کو کوئی چیز نہیں ٹال سکتی مگر دعا۔" یعنی اللہ کے فیصلے کو بدل دینے کی طاقت کسی میں نہیں ہے، مگر اللہ خود اپنا فیصلہ بدل سکتا ہے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب بندہ اس سے دعا مانگتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما من احد یدعو بدعاءٍ الّا اٰتاہ اللہ ماسأل او کف عنہ من السرء مثلہ مالم یدع اباثمٍ او قطیعۃ رحمٍ (ترمذی)۔" آدمی جب کبھی اللہ سے دعا مانگتا ہے، اللہ اسے یا تو وہی چیز دیتا ہے جس کی اس نے دعا کی تھی یا اسی درجے کی کوئی بلا اس پر آنے سے روک دیتا ہے، بشر طیکہ وہ کسی گناہ کی یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے"۔اسی سے ملتا جلتا مضمون ایک دوسرے حدیث میں ہے جو حضرت ابو سعید خدریؓ نے حضورؐ سے روایت کی ہے۔اس میں آپ کا ارشاد یہ ہے کہ ما من مسلم ید عو بدعوۃٍ لیس فیھا اثم ولا قطیعۃ رحمٍ الا اعطاہ اللہ احدیٰ ثلٰث، اما ان یعجل لہ، و اما ان یدَّ خرھا لہٗ فی الاٰخرۃ و اما ان یصرف عنہ من اسوء مثلھا (مسند احمد)" ایک مسلمان جب بھی کوئی دعا مانگتا ہے، بشر طیکہ وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں قبول فرماتا ہے۔یا تو اس کی وہ دعا اسی دنیا میں قبول کر لی جاتی ہے۔یا اسے آخرت میں اجر دینے کے لیے محفوظ رکھ لیا جاتا ہے۔یا اسی درجہ کی کسی آفت کو اس پر آنے سے روک دیا جاتا ہے۔"

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اذا دعا احد کم فلا یقل اللھم اغفرلی ان شئت، ارحمنی ان شئت، ارزقنی ان شئت، ولْیَعْزِم مسئلتہٗ (بخاری)۔"جب

تم میں سے کوئی شخص دعامانگے تو یوں نہ کہے کہ خدایا مجھے بخش دے اگر تو چاہے، مجھ پر رحم کر اگر تو چاہے، مجھے رزق دے اگر تو چاہے، بلکہ اسے قطعیت کے ساتھ کہنا چاہیے کہ خدایا میری فلاں حجت پوری کر"۔ دوسرے روایت حضرت ابوہریرہؓ ہی سے ان الفاظ میں آئی ہے کہ آپ نے فرمایا ادعواللہ وانتم موقنون بالاجابۃ(ترمذی)" اللہ سے دعا مانگو اس یقین کے ساتھ کہ وہ قبول فرمائے گا۔"

ایک اور روایت میں حضرت ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ :یستجاب للعبد مالم یدعُ باثم اوقطیعۃ رحم مالم یستعجل، قیل یارسول اللہ ماالا ستجال؟ قال یقول قد دعوت وقد دعوت فلم اَرَ یُستجاب لی فیستحسر عند ذٰلک ویدع الدعا(مسلم)۔" بندے کی دعا قبول کی جاتی ہے بشرطیکہ وہ کسی گناہ کی یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے، اور جلد بازی سے کام نہ لے۔ عرض کیا گیا جلد بازی کیا ہے یارسول اللہ؟ فرمایا جلد بازی یہ ہے کہ آدمی کہے میں نے بہت دعا کی، مگر میں دیکھتا ہوں کہ میری دعا قبول نہیں ہوتی، اور یہ کہہ کر آدمی تھک جائے اور دعا مانگنی چھوڑ دے۔"

دوسرے مضمون کو حسب ذیل احادیث واضح کرتی ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا لیس شئ اکرم علی اللہ من الدعاء(ترمذی۔ ابن ماجہ)" اللہ کی نگاہ میں دعا سے بڑھ کر کوئی چیز باوقعت نہیں ہے"۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: سلوا اللہ من فضلہ فان اللہ یحبّ ان یسأل(ترمذی)۔" اللہ سے اس کا فضل مانگو کیونکہ اللہ اسے پسند فرماتا ہے کہ اس سے مانگا جائے۔"

حضرت ابن عمر اور حضرت مُعاذ بن جَبَل کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: ان الدعاء ینطع ممّا نزل وممّالم ینزل فعلیکم عباد اللہ بالدعاء(ترمذی۔ مسند احمد)" دعا بہر حال نافع ہے ان بلاؤں کے معاملے میں بھی جو نازل ہو چکی ہیں اور انکے معاملے میں بھی جو نازل نہیں ہوئیں۔ پس اے بندگان خدا تم ضرور دعا مانگا کرو"۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: یسأل احدکم ربہ حاجتہ کلّہ حتیٰ یسأل شسع بعلہٖ اذا انقطع(ترمذی)" تم میں سے ہر شخص کو اپنی حاجت خدا سے مانگنی چاہیے، حتیٰ کہ اگر اس کی جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا سے دعا کرے۔" یعنی جو معاملات بظاہر آدمی کو اپنے اختیار میں محسوس ہوتے ہیں ان میں بھی تدبیر کرنے سے پہلے اسے خدا سے مدد مانگنی چاہیے، اس لیے کہ کسی معاملے میں بھی ہماری کوئی تدبیر خدا کی توفیق و تائید کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی، اور تدبیر سے پلے دعا کے معنی یہ ہیں کہ بندہ ہر وقت اپنی عاجزی اور خدا کی بالادستی کا اعتراف کر رہا ہے۔

(27) سورة النمل: آیت نمبر 62

اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَيَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ‌ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ‌ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَؕ ﴿۶۲﴾

کون ہے جو بے قرار کی دُعا سُنتا ہے جبکہ وہ اُسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے؟ اور ﴿کون ہے جو﴾ تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ﴿یہ کام کرنے والا﴾ ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔

سورة النمل حاشیہ نمبر:76

مشرکین عرب خود اس بات کو جانتے اور مانتے تھے کہ مصیبت کو ٹالنے والا حقیقت میں اللہ ہی ہے چنانچہ قرآن مجید جگہ جگہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ جب تم پر کوئی سخت وقت آتا ہے تو تم خدا ہی سے فریاد کرتے ہو، مگر جب وہ وقت ٹل جاتا ہے تو خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے لگتے ہو (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اول، الانعام، حواشی 29۔41، جلد دوم یونس آیات 21۔22۔ حاشیہ 31۔ النحل حاشیہ 46، بنی اسرائیل حاشیہ 84) اور یہ بات صرف مشرکین عرب ہی تک محدود نہیں ہے۔ دنیا بھر کے مشرکین کا بالعموم یہی حال ہے، حتیٰ کہ روس کے منکرین خدا جنہوں نے خدا پرستی کے خلاف ایک باقاعدہ مہم چلا رکھی ہے، ان پر بھی جب گزشتہ جنگ عظیم میں جرمن فوجوں کا نرغہ سخت ہو گیا تو انہیں خدا کو پکارنے کی ضرورت محسوس ہو گئی تھی۔

سورۃ النمل حاشیہ نمبر:77

اس کے دو معنی ہیں۔ایک یہ کہ ایک نسل کے بعد دوسری نسل اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم اٹھاتا ہے دوسرے یہ کہ تم کو زمین میں تصرف اور فرمانروائی کے اختیارات عطا کرتا ہے۔

(32) سورۃ السجدۃ: آیت نمبر 16

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

اُن کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں، اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں [27]، اور جو کچھ رزق ہم نے اُنھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں [28]۔

سُوْرَةُ السَّجْدَة حاشیہ نمبر:28

(۲۸) رزق سے مُراد ہے رزق حلال۔ مال حرام کو اللہ تعالیٰ اپنے دیے ہوئے رزق سے تعبیر نہیں فرماتا۔ لہٰذا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو تھوڑا یا بہت پاک رزق ہم نے اُنہیں دیا ہے اسی میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اِس سے تجاوز کر کے اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے حرام مال پر ہاتھ نہیں مارتے۔

(32) سورۃ الاسراء (بنی اسرائیل): آیت نمبر 11

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾

انسان شر اُس طرح مانگتا ہے جس طرح خیر مانگنی چاہیے۔ انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے۔[12]

سُوْرَةُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْل حاشیہ نمبر:12

یہ جواب ہے کفار مکہ کی اُن احمقانہ باتوں کا جو وہ بار بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ بس آؤ وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈرایا کرتے ہو۔ اوپر کے بیان کے بعد معاً یہ فقرہ ارشاد فرمانے کے غرض اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ بیوقوفو! خیر مانگنے کے بجائے عذاب مانگتے ہو؟ تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے خدا کا عذاب جب کسی قوم پر آتا ہے تو اس کی کیا گت بنتی ہے؟

اس کے ساتھ اس فقرے میں ایک لطیف تنبیہ مسلمانوں کے لیے بھی تھی جو کفار کے ظلم و ستم اور ان کی ہٹ دھرمیوں سے تنگ آکر کبھی کبھی ان کے حق میں نزول عذاب کی دعا کرنے لگتے تھے، حالانکہ ابھی انہی کفار میں بہت سے وہ لوگ موجود تھے جو آگے چل کر ایمان لانے والے اور دنیا بھر میں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے والے تھے۔ اس پر اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ انسان بڑا بے صبر واقع ہوا ہے۔، ہر وہ چیز مانگ بیٹھتا ہے جس کی بروقت ضرورت محسوس ہوتی ہے، حالانکہ بعد میں اسے خود تجربہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر اُس وقت اُس کی دعا قبول کر لی جاتی تو وہ اس کے حق میں خیر نہ ہوتی۔

(41) سورة الفصلت (حم سجدة) : آیت نمبر 51

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿٥١﴾

انسان کو جب ہم نعمت دیتے ہیں تو وہ منہ پھیر تا ہے اور اکڑ جاتا ہے [67]۔ اور جب اسے کوئی آفت چھو جاتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے [68]۔

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة حاشیہ نمبر:67

67۔ یعنی ہماری اطاعت و بندگی سے منہ موڑتا ہے اور ہمارے آگے جھکنے کو اپنی توہین سمجھنے لگتا ہے۔

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة حاشیہ نمبر:68

68۔ اس مضمون کی متعدد آیات اس سے پہلے قرآن مجید میں گزر چکی ہیں۔ اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے حسب ذیل مقامات ملاحظہ ہوں: تفہیم القرآن جلد دوم، ص 270۔325۔326۔639۔ جلد سوم، ص 755 تا 757۔ جلد چہارم، الزمر، آیات 8۔9۔49۔